© rasailojaraid.com

حقوقِ انسانی کا جدید و اسلامی تصور

(ایک تقابل)

سید مظفر حسین

ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی

Abstract:

It is not possible to deny the value, need and importance of human rights issue in present time. Human Rights is a worldly discussed topic now a days. There is no doubt in the importance of Human Rights according to Islam and the West, but the way of thinking is primarily different. Islam sees Human Rights in perspective of Men and God and approach of west in this regard is secular and they adopt Human Rights as a state and its citizen. In Islam, Rights are determined and set by Allah and his Messenger and there is no change possible whatsoever. In the west, leaders and legislative bodies determine the rights and there is a possibility in change of rights at any time. In view of this fundamental difference, today, some clauses of International Human Rights Charter are in contrary with Islamic teachings. For example, Islamic Punishments, west considers that Islamic punishments as against Human Rights. Islam also considers some clauses of International charter as unIslamic.Therefore the solidarity between the two in some clauses becomes difficult. The comparison between both concepts has been presented in this article and a critical review of the charter of United Nations Human Rights has also been discussed.

Keywords: human rights, human. issue, secular, legislative bodies, International,

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حق، کا معنی ومفہوم:

حق کا مادہ "ح۔ق۔ق" ہے۔ کسی چیز کا اس طرح موجود ہو جانا، واقع ہو جانا اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے پر اس کے وجود سے انکار نہ کیا جا سکے، اسے حق کہتے ہیں۔ [۱]

الحَقُّ: نقيض الباطل، وجمعه حُقوقٌ ''حق''یعنی باطل کو منسوخ کرنا اور اس کی جمع حقوق، **والحق: من أسماء الله عز وجل، وقيل من صفاته** :اور حق: اللہ کے اسماء میں سے ہے اور اس کی صفات کے لیے بھی بیان کیا گیا ہے، **إن المادةالـلغوية لكلمة الحق تدور على معان عدة، منها الثبوت والوجوب واللزوم ونقيض الباطل والنصيب وبذلك تعددت التعاريف التي أعطيت لكلمة الحق عند أهل اللغة من العرب.** [۲] بے شک کلمہ حق کا مادہ کئی معنوں پر دلالت کرتا ہے ان میں سے ثابت ہونا، واجب ہونا ضروری، باطل کی ضد، اور کلمہ حق، کی متعدد تعریف اہل لغت کی طرف سے بیان ہوئیں ہیں۔

حق کا لفظ، ازروئے قرآن:

قرآن کریم میں، حق کا لفظ درجہ ذیل معنوں میں آیا ہے۔

(۱) ظن کے مقابل (۲) باطل کے مقابلے میں (۳) حقوق العباد یعنی ایک فرد کا دوسرے پر حق کے معنی میں۔

ظن، کے مقابلے کی مثال کے لیے آیت قرآنی ملاحظہ کیجیے: **اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَقِّ شَيۡـًٔا** [۳] '' ظن، حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتا'' آیت سے معلوم ہوا کہ اتباع، حق کی کرنی چاہیے ظن کی نہیں۔ دین یکسر حق ہے اس میں ظن کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

حق، باطل کے مقابلے کی مثال کے لیے آیت قرآنی ملاحظہ کیجیے: **جاء الحق وزهق الباطل:** [۴] ''حق آیا اور باطل مٹ گیا''

حق، حقوق العباد کے معنی کے لیے بھی آیا ہے آیت قرآنی ملاحظہ کیجیے: **وَفِي أَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالۡمَحۡرُومِ** [۵] ''اور تمہارے مال میں ضرورت مندوں اور محروموں کا حق ہے۔''

حق، کے لفظ کی دیگر مثالیں ملاحظہ کیجیے: **اللّٰهِ مَوۡلَاهُمُ الۡحَقِ** [۶] ''اللہ خود اپنے قوانین کے ذریعے حق ہے۔'' **اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقّ** [۷] ''اس کا رسول حق ہے۔'' **اُنۡزِلَ اِلَيۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ هُوَ الۡحَقّ** [۸] ''اتارا گیا آپ پر آپ کے رب کی جانب سے وہ حق ہے۔''

حق کا لفظ، ازروئے تاریخ وروایات:

مختلف روایتوں میں بھی حق کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کی بھی ایک مثال ملاحظہ کرلیں: **قَال رسول الله** ﷺ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یـامُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّهِ عَلَى الْعِبَادِ وماحقُّ العبادِ عَلَى الله؟ قَالَ قُلْتُ: الله وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: فَإِنَّ حَقَّ اللّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوا اللّهِ وَلاَ يُشْرِكُوا بِهِ شَيئاً. ۹ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ، لوگوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ اور اللہ کا لوگوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کریں۔

حقوقِ انسانی:

عہد حاضر میں انسانی حقوق کے موضوع کی اہمیت و افادیت اور اس کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں ہے اس وقت دنیا کا موضوع بحث انسانی حقوق ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اور مغرب دونوں کے نزدیک انسانی حقوق کی اہمیت ہے لیکن دونوں کا زاویہ نظر بنیادی طور پر مختلف ہے، مغرب کا دعوی ہے کہ اس نے دنیا کو انسانی اقدار اور انسانی حقوق سے متعارف کرایا اس سے قبل معاشرہ ظلم و تشدد اور جہالت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا تھا مغرب کا پس منظر کو مدنظر رکھ کر اس کا انسانیت کو حقوق انسانی سے متعارف کرانے کے اس دعوے پر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ مغرب میں بادشاہت، پاپائیت اور جاگیرداری نے صدیوں تک عام انسانی آبادی کو انسانی عزت و وقار سے محروم کیے رکھا ہوا تھا اس دور میں مغربی معاشرے میں انسانی شرف اور انسانی حقوق کا تصور کرنا بھی جرم تھا عام انسان کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر تھی چناچہ اس تکون کے خلاف عوامی بغاوت شروع ہوئی اور جلد ہی بادشاہت، جاگیرداری اور پاپائیت کے تینوں اداروں کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا اور آخر اس دور کا خاتمہ ہوا جس کو آج کا (Dark Ages) تاریک صدیوں سے یاد کیا جاتا ہے سوال یہ ہے کہ کیا پوری دنیا کا یہی حال تھا جسے یورپ آج (Dark Ages) کا نام دے رہی ہے بالخصوص عالم اسلام کا؟ تو مسلمان اس بات سے اتفاق نہیں کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے پیغمبر اسلام نے انسانی اقدار اور انسانی حقوق کو نہ صرف بیان کیا تھا بلکہ عملی طور پر پہلی اسلامی ریاست مدینہ میں نافذ کر چکے تھے جب کہ مغرب ۱۸ ویں صدی تک جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

اسلام اور مغربی انسانی حقوق کے تصور میں بنیادی فرق:

اسلام انسانی حقوق کو عبد اور معبود کے نقطہ نظر سے دیکھتا ہے اور مغرب کا نقطہ نظر سیکولر ہے وہ انسانی حقوق کو ریاست اور اس کے شہری ہونے کی حیثیت سے دیکھتا ہے اسلام میں حقوق کا تعین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کرتے ہیں اور ان میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں ہے اسلامی تصور حقوق کا اصل ماخذ قرآن مجید ہے اور سیرت پیغمبر، اس کی عملی تفسیر ہے جب کہ مغرب کے نزدیک حقوق کا تعین حکمران یا قانون ساز ادارہ کرتا ہے اور ان قوانین میں تبدیلی ممکن ہے انسانی حقوق کا جدید مغربی دستور امریکی ''بل آف رائٹ'' کا امیزہ ہے۔ اور امریکی دستور کا ماخذ ''فیڈرلسٹ پیپرز'' ہیں جو امریکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پہلے وزیر خزانہ الیگزینڈر ہملٹن، امریکہ کے پہلے چیف جسٹس جان جے اور امریکہ کے صدر جیمس میڈیسن نے امریکی اخبارات میں دستور کی حمایت میں لکھے تھے آج اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور اسی امریکی دستور کا چربہ ہے اس منشور کی مصنفہ اس وقت کے امریکی صدر کی بیوی ایلینا روز ویلٹ تھی۔

درجہ بالا بنیادی اختلافات کے تناظر میں آج بین الاقوامی انسانی حقوق کے منشور کی کئی دفعات اسلامی قوانین سے متصادم نظر آتی ہیں مثلاً اسلامی سزائیں مغرب ان اسلامی سزاؤں کو حقوق انسانی کے خلاف سمجھتا ہے اور اسلام بھی عالمی منشور کی چند دفعات کو غیر اسلامی قرار دیتا ہے لہٰذا ان دونوں کے باہم بعض قوانین میں ہم آہنگی ناممکن ہے لہٰذا آج ان اختلافی قوانین کو نمایاں کر کے تصادم کی فضا قائم کرنے کے بجائے جو دفعات مشترکہ ہیں ان پر مل کر عمل درآمد کرانا عصر حاضر کی اہم ضرورت ہے۔

انسانی حقوق کا ارتقاء مغربی فلسفے کی رو سے:

اہل مغرب بنیادی انسانی حقوق کے تصور کی ارتقائی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح کے یونان سے کرتے ہیں لیکن اس دعویٰ کو ہم اس لیے قبول نہیں کر سکتے کہ اس سے قبل بھی حمورابی تہذیب اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ موجود دیکھائی دیتی ہے۔ انسانی معاشرت سے بھرپور ان کی زندگی اس بات کی علامت تھی کہ وہاں ملکی انتظام انصرام کے قوانین سمیت انسانی حقوق کا مکمل وجود تھا۔ اُن کے حاکم (حمورابی) اپنی رعایا کو ہر اُس حق سے مستفیض رکھنا جانتے تھے کہ جو اُن کے زندہ رہنے کے لیے ضروری تھا۔ بلا شبہ مورخین کی اس بات کو تسلیم کرنا ہوگا کہ جہاں ایک طرف رومن دور اپنے تہذیبی و تمدنی ارتقاء کی وجہ سے نمایاں ہے وہی اس سے قبل حمورابی دور کی تہذیب کو نظر انداز کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ یہاں پر یہ بات محلِ نزاع ہے کہ حمورابی تہذیب کے بانی کون تھے۔؟ اہل علم حضرات نے حمورابی دور کی نسبت مختلف شخصیات کی طرف دی ہے۔ بعض دانشوروں کے نزدیک حمورابی دراصل نمرود تھا۔[۱۰] البتہ یہ بات بھی متنازع رہے گی کہ حمورابی اور نمرود دو الگ الگ شخصیات تھیں یا ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ چوں کہ یہ ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے اس لیے ہم اصل مدعا کی طرف توجہ دیتے ہوئے اس بات کا دعویٰ کریں گے کہ حمورابی تہذیب میں بھی انسانی حقوق کا تصور بڑا واضح اور انسانی اقدار کے قریب تھا۔ انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بائبل انسائیکلو پیڈیا آن لائن نے ۱۲۰۰ قبلِ مسیح قرار دیا ہے۔[۱۱] جب کہ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کا کہنا ہے کہ حمورابی کا زمانہ ۲۰۶۷ سے ۲۰۲۵ قبلِ مسیح تک پھیلا ہوا ہے۔[۱۲]

معلوم ہوتا ہے کہ دو ہزار سال قبل مسیح انسانی اقدار اور حقوق کی بات بھی ہوتی تھی۔ یقیناً حمورابی کی ستائش اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ انہوں نے اپنی رعایا کے حقوق کے لیے قوانین وضع کیئے، اُن کو زندگی کی آسائشوں سے قریب تر کر دیا۔ حمورابی کا قانونی، آئینی اور اخلاقی ضابطہ دنیا کا سب سے قدیم ضابطہ ہے۔ مورخین کے نزدیک بنی اسرائیل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضوابط اسی سے ماخوذ ہیں۔انجیل میں اس کا نام امرافیل ''فرماں روائے شنار'' (سمیر) ہے۔ ضابطہ قوانین میں عدالت، کھیتی باڑی، آبپاشی، جہاز رانی، غالموں کی خرید وفروخت، آقا اور غلام کے تعلقات، شادی بیاہ، وراثت، ڈاکا، چوری وغیرہ سے متعلق قانون کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔اُن کے قوانین اتنے سخت تھے کہ اگر بیٹا اپنے باپ کی حقِ پدری سے انکار کرتا تو اُس کو غلام بنا کر فروخت کر دیا جاتا۔ایک برطانوی ماہرارضیات و پادری Claude Hermann Walter Johns لکھتے ہیں:

If a son has said to his father, "You are not my father," he may brand him, lay fetters upon him, and sell him.(13)

''اگر بیٹا اپنے باپ سے کہتا کہ آپ میرے باپ نہیں ہیں تو بیٹے کو پیروں تلے روندیا جاتا اور غلام کے طور پر بیچ دیا جاتا۔''

یہ بات محل تعجب ہے کہ مغربی اہل علم کس بنیاد پر روم کو انسانی حقوق کا علمبردار قرار دے رہے ہیں؟ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریب دو ہزار سال قبل انسانی حقوق کا تصور موجود تھا تو پھر صرف روم ہی کو انسانی حقوق کا بانی قرار دینا کہاں تک صحیح ہے یہ تو ماہرین خود فیصلہ کریں گے البتہ اپنے موضوعِ بحث کی وثاقت کے لیے ہم حمورابی دور کو انسانی حقوق کے بانی کے طور پر بیان کرتے ہیں۔مورخین کے مطابق حمورابی دور میں ریاستی قوانین سمیت عائلی اور شہری قوانین کی پوری فہرست موجود تھی۔ جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے:

We definitely know of one great code of Laws, that of Hammurabi, and we are greatly strengthened in the view that there were laws and even codes, centuries before him.(14)

''ہم جانتے ہیں کہ حمورابی نام کے دور میں (انسانی حقوق) کے قوانین موجود تھے۔ہمیں یہ بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس (حمورابی دور) سے صدیوں قبل بھی قوانین تھے یہاں تک کہ شقیں بھی موجود تھیں۔''

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ حمورابی کے ضابطہ قانون کے اثرات غیر معمولی حد تک دیرپا اور دوررس ثابت ہوئے۔ جتنے بھی مذاہب اور ضابطہ ہائے قوانین اس کے بعد متشکل ہوئے، اس کے سائے سے ہٹ کر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکے۔نہ صرف میسوپوٹیمیا کے عوام کی زندگیوں پر بلکہ آنے والے وقتوں میں مختلف تہذیبوں کے افراد کی زندگیوں پر بھی اس ضابطے نے اثرات مرتب کیے۔

حمورابی کے ضابطے میں پہلی بار سزاؤں کا عمل شواہد کی موجودگی کو ضروری قرار دے کر طے کیا گیا۔ثبوت کی موجودگی کی بنیاد پر ہی فیصلے سنائے جاتے۔اگر کوئی الزام عائد کر کے اسے ثابت نہ کر سکے تو الٹا اسی کو جرمانے کی سزا دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتی۔ اس ضابطے میں آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ کے اصول پر تعزیری قوانین کی بنیاد قائم تھی۔ عمارت اگر وقت سے پہلے سے منہدم ہو جاتی تو اسے تعمیر کرنے والا مالک کا نقصان پورا کرتا، اگر اس کے نیچے دب کر کوئی غلام، یا مالک کا بیٹا یا خود مالک ہلاک ہو جاتا تو اس کی سزا کے طور پر اسے تعمیر کرنے والے کا بالترتیب غلام، یا بیٹا یا خود اسے ہلاک کیا جاتا۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی بیٹی، بیوی یا بہن سے جنسی زیادتی کرتا تو اس کے بدلے میں دوسرے شخص کو یہ اختیار دیا جاتا کہ وہ اپنی بیٹی، بیوی یا بہن کے بدلے میں مجرم کی بیٹی، بیوی یا بہن سے مباشرت کرے۔ ۱۵

حمورابی دور کے بعد رومیوں کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ انہوں نے پانچ سو سال قبلِ مسیح انسانی حقوق کے قوانین کا ادراک کر لیا تھا۔ البتہ یہ منفی نکتہ ضروری رہے گا کہ ان کے ہاں انسانی حقوق صرف معاشرے کے ممتاز اور خاص طبقے کے لیے تھے۔ دینِ مسیح کے پیروؤں کے ساتھ روم کی قدیم بادشاہتوں کا ظالمانہ رویہ انسانی معاشرے کے ساتھ ظلم و جارحیت کا ایک نمونہ ہے۔ پھر پانچویں صدی کے زوال پذیر روم سے اپنی سیاسی فکر کا رشتہ جوڑتے ہوئے ایک ہی زقند میں گیارویں صدی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چھٹی سے دسویں عیسوی تک کا پانچ سو سالہ عہد ان کی مرتب کردہ تاریخ سے غائب ہے اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ شاید کہ یہ اسلامی عہد ہے۔ ۱۶

دنیا کے مختلف علاقوں میں انسانوں کے حقوق سے بے اعتنائی آہستہ آہستہ ایک معمول کی چیز بن گئی۔ جنگ و خونریزی کے ایک دور کے بعد مختلف منشور اعلامیے اور دستاویزات تیار کی گئیں کہ جن کو تیار کرنے والوں نے انسانی معاشروں کے دکھوں کے مداوا کے لیے انسانی حقوق کی بات کی اور انہوں نے طے کیا کہ معاشرے کی زندگی کو ایک اصول کے تابع کیا جائے کہ جو فردی اور اجتماعی حقوق کا ضامن ہو۔

اس کی ارتقائی تاریخ کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس وقت ایرانی بادشاہ کورش کبیر نے بابل پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا اس کے بعد اس نے بخت نصر کے ہاتھوں قید کیے گئے افراد کو آزاد کر دیا اور اعلان کیا کہ ہر شخص مذہب کے معاملے میں با اختیار ہے اسے جو نظریہ اور مذہب پسند آئے اسے اختیار کر سکتا ہے اس کے علاوہ اس نے نسلی امتیاز کا خاتمہ کر کے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا ان کے اس عمل کو بعد کے ادوار میں مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے ریکارڈ کا حصہ بنایا گیا موجودہ دور میں فارس کے بادشاہ کے اس عمل کو انسانی حقوق کے پہلے عالمی دستاویز کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے تمام دفعات کو اقوام متحدہ کے چھ سرکاری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے اور اس کے متوازی دفعات انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے پہلے چار مضامین میں بھی شمار ہے۔ اس کے بعد انسانی حقوق کا یہ تصور ہندوستان، روم میں بھی بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا وہاں کے لوگوں نے انسان کے فطری اور قدرتی حقوق پر عمل کرنے لگے جنہیں غیر تحریر شدہ قوانین کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ رومی قانون قدرتی اور فطری چیزوں کی نوعیت سے حاصل عقلی خیالات پر مبنی تھی۔ ۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال انسانی حقوق کا تصور اور اس کی تاریخ کے بارے میں یہ تصور دیا جاتا ہے کہ اس کا احساس جیسے آج ہے، اس سے پہلے نہیں تھا۔ انسانوں کی اکثریت اپنے بنیادی حقوق سے محروم تھی اور ظلم کی چکی میں پس رہی تھی۔ کبھی کہیں سے کوئی آواز اٹھتی بھی تو طاقت ور طبقات کے مضبوط ہاتھ اسے دبانے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس کی آزادی کا صحیح معنوں میں احساس مغرب کو ہوا اور مغرب ہی نے اس کا واضح تصور دیا۔ کہا جاتا ہے کہ فرانس کے الفانسو شانہم نے یہ قانون منظور کیا یا اس سے منظور کرایا گیا کہ کسی کو بلا وجہ قید نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں حبسِ بے جا کو کالعدم قرار دیا گیا۔ اسے انسانی حقوق کی تاریخ میں بہت بڑا اقدام سمجھا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد فرانس ہی میں روسو پیدا ہوا، اس کی کتاب کا اور اس نے انسانی آزادی کا جو تصور دیا اس کا بڑا چرچا رہا۔ اس نے کہا کہ انسان فطرتاً آزاد ہے اور اسے آزاد ہونا چاہیے۔ اس کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا اور یہ بڑی انقلابی کتاب سمجھی گئی۔ اردو زبان میں بھی اس کا ترجمہ ''معاہدہ عمرانی'' کے نام سے موجود ہے۔

انسانی حقوق کے حصول کے لیے کی جانے والی کوششوں میں سے ایک ۱۹۴۸ء میں انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ تھا۔ یہ اعلامیہ جو اس سے پہلے کے منشوروں اور اعلامیوں سے کامل تر نظر آتا ہے، انسان کی فردی اور اجتماعی آزادیوں اور بہت سے بنیادی حقوق کا حامل ہے اور اس نے قوموں میں اس امید کو زندہ کیا کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے پر عمل درآمد سے ان کے تمام حقوق اور آزادیوں کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔

انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ ان حکومتوں کی مشترکہ فکر وسوچ کا نتیجہ ہے کہ جو واضح طور پر مغربی لبرل ازم کی طرف جھکاؤ رکھتی ہیں۔ اگرچہ یہ اعلامیہ بہت سی قانونی تبدیلیوں کا باعث بنا لیکن اس میں پائے جانے والے نقائص، اس کی من پسند تشریح اور اس پر عمل درآمد کے طریقہ کار نے بہت سے انسانوں کو اپنے حقوق تک پہنچنے کے سلسلے میں مشکل سے دوچار کر دیا۔

یہ بات بھی قابل درک ہے کہ انسانی تہذیب نے جیسے جیسے شعور کی منزلیں طے کیں، زندگی کے ہر شعبے میں اصول وقوانین وضع کیے گئے۔ معاملات زندگی کے لیے کچھ طے شدہ اصولوں پر عملدرآمد کیا گیا۔ کہیں یہ اصول انسانوں نے عقلی دلیل کی بنیاد پر خود وضع کیے اور عمرانی اصول کہلائے اور کہیں یہ اصول آسمانی صحیفوں کی بنیاد پر طے کیے گئے۔

مہذب معاشرہ خواہ وہ خود ساختہ عمرانی اصولوں کی بنیاد پر قائم ہو یا مقدس تعلیمات سے اخذ کردہ معاشرتی اصول وقوانین کی بنیاد پر قائم ہو، ہر دو صورتوں میں بنیادی انسانی حقوق کو اولین اہمیت دی گئی ہے۔ گو کہ قدیم مصری، یونانی، عربی اور ہندی تمدن نے انسانی حقوق کے معاملے میں بہت وسعت قلبی کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن جدید تہذیب نے انسانوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کو جدید ریاست کی بنیادی ذمے داری قرار دیا ہے۔

جدید تہذیب کے شعوری ارتقاء کا یہ سفر تقریباً ۸۰۰ سال پر محیط ہے۔ ۱۲۱۵ء میں انگلستان میں مشہور زمانہ میگنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارٹا کے ضبطِ تحریر میں لائے جانے کے بعد سے کہ جس میں جرم کی شفاف تحقیق اور صفائی پیش کرنے کے حق کو تسلیم کیا گیا، یہ ارتقائی سفر آگے بڑھتا ہے۔ ۱۶۲۸ء میں انگلش پارلیمنٹ میں حقوق کا مسودہ پیش کیا گیا، جس میں ملزم کو حبسِ بے جا کے خلاف دادرسی جیسے قوانین وضع کیے گئے۔

امریکا کی تاج برطانیہ سے آزادی کے بعد ۱۷۸۷ء میں امریکی آئین اور ۱۷۹۱ء میں انسانی حقوق کا بل ایک اہم دستاویز ثابت ہوا۔ اسی طرح انقلابِ فرانس کے بعد ۱۷۸۹ء میں ''اعلامیہ برائے حقوقِ آدمی اور شہری حقوق'' ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالآخر آج اقوامِ عالم ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد انسانی حقوق کے ایک جامع مسودے ''عالمی منشور برائے حقوق انسانی''، پر متفق ہیں جسے دسمبر ۱۹۴۸ء میں منظور کیا گیا۔

اسی منشور کے سائے تلے آج دنیا بھر میں قائم ''مہذب'' معاشرہ ہونے کی دعویدار تمام ریاستیں، اپنے آئین میں انسان کے بنیادی حقوق کی بات کرتی ہیں۔ لیکن کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ دنیا بھر کے ''مہذب'' معاشروں میں عملی طور پر انسانی حقوق کی پاسداری نہیں کی جاتی ہے یا بالفاظ دیگر ان کے دہرے معیارات ہیں۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ ان مہذب اقوام کے ہاتھوں امن ہو یا جنگ ہر جگہ انسان کے بنیادی حقوق پامال ہوتے نظر آتے ہیں۔

مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام ہو یا مشرق کا کمیونسٹ معاشرہ یا ترقی پذیر مما لک کے مخلوط نظام، ہر جگہ عام انسان کے حقوق داؤ پر لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اقوام عالم کے یہ منشور اپنے اندر بظاہر تمام تر باریک بینی کے باوجود کوئی قوت نافذہ نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس اسلام نے جو انسانی حقوق کا چارٹر چودہ سو پہلے پیش کیا اس کو اخلاقیات اور تعزیرات دونوں کے ذریعے عملی قوت فراہم کی۔

ان تمام دستاویزات کی موجودگی کے باوجود دور جدید میں انسانی حقوق کے عالمی منشور کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اس کو اقوام متحدہ نے عالمی منشور قرار دیتے ہوئے رکن مما لک پر اس کی نشر و اشاعت کے ساتھ اس پر عمل درآمد کو یقینی کی تاکید کی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ اس دستاویز کو بین الاقوامی طور پر پذیرائی حاصل ہوئی۔ ذیل میں اس دستاویز کو من عن ذکر کیا جارہا ہے اس کے بعد اس کا ایک تنقیدانہ جائزہ لیتے ہوئے اس کا اسلامی انسانی حقوق کے تصور کے ساتھ مقائسہ بھی کیا جائے گا۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور:

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کا ''انسانی حقوق کا عالمی منشور'' منظور کر کے اس کا اعلانِ عام کیا۔ اگلے صفحات پر اس منشور کا مکمل متن درج ہے۔ اس تاریخی کارنامے کے بعد اسمبلی نے اپنے تمام ممبر مما لک پر زور دیا کہ وہ بھی اپنے ہاں اس کا اعلانِ عام کریں اور اس کی نشر و اشاعت میں حصّہ لیں۔ مثلاً یہ کہ اسے نمایاں مقامات پر آویزاں کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیا اور خاص طور پر اسکولوں اور تعلیمی اداروں میں اسے پڑھ کر سنایا جائے اور اس کی تفصیلات واضح کی جائیں اور اس ضمن میں کسی ملک یا علاقے کی سیاسی حیثیت کے لحاظ سے کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔

دفعہ ا: تمام انسان آزادی اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ اس لیے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ ۲: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کئے گئے ہیں، اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے جو شخص تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی کیفیت دائرہ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی دوسری بندش کا پابند ہو۔

دفعہ ۳: ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ ۴: کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا. غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی شکل بھی ہو، ممنوع قرار دی جائے گی۔

دفعہ ۵: کسی شخص کو جسمانی اذیّت یا ظالمانہ، انسانیت سوز، یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ ۶: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔

دفعہ ۷: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر حقدار ہیں. اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا تفریق کے لئے ترغیب دی جائے، اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حقدار ہیں۔

دفعہ ۸: ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے۔

دفعہ ۹: کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۰: ہر ایک شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کا تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے بارے میں مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانب دار عدالت کے کھلے اجلاس میں منصفانہ طریقے پر ہو۔

دفعہ ۱۱: (i) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری کا الزام عائد کیا جائے، بے گناہ شمار کئے جانے کا حق ہے تاوقتیکہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ دیا جا چکا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ii) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگذاشت کی بنا پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۲: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کئے جائیں گے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔

دفعہ ۱۳: (i) ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ ۱۴: (i) ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہو۔

(ii) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا جو خالصاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اُصول کے خلاف ہیں۔

دفعہ ۱۵: (i) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (ii) کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اس کو قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہ کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۶: (i) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل قومیت یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح فسخ کرنے کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(ii) نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہوگا۔

(iii) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حق دار ہے۔

دفعہ ۱۷: (i) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائداد رکھنے کا حق ہے۔ (ii) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۸: ہر انسان کو آزادیٔ فکر، آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ ۱۹: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہارِ رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کئے علم اور خیالات کی تلاش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرے۔انہیں حاصل کرے اوران کی تبلیغ کرے۔

دفعہ۲۰: (i) ہر شخص کو پُر امن طریقے پر ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔(ii) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ۲۱: (i) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہِ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق۔(ii) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر حق ہے۔(iii) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریقِ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ۲۲: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی کہ وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کے آزادانہ نشوونما کے لئے لازم ہیں۔

دفعہ۲۳: (i) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔(iii) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔(iv) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لئے تجارتی انجمنیں قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ۲۴: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے علاوہ مقررہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔

دفعہ۲۵: (i) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لئے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات شامل ہیں اور بے روزگاری بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا یا ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔(ii) زچّہ اور بچّہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔تمام بچے خواہ وہ شادی سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دفعہ ۲۶: (i) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہوگی، کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں۔ ابتدائی تعلیم جبری ہوگی۔ فنّی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بناء پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(ii) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو ونما ہوگا.اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(iii) والدین کو اس بات کے انتخاب کا اوّلین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ ۲۷: (i) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصّہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (ii) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے اُن اخلاقی اور مادّی مفاد کا بچاؤ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، علمی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ ۲۸: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام میں شامل ہونے کا حق دار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلان میں پیش کردئے گئے ہیں۔

دفعہ ۲۹ (i) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں. کیونکہ معاشرے میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو ونما ممکن ہے۔ (ii) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامّہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں (iii) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں

دفعہ ۳۰: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی تخریب ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔ ۱۸

انسانی حقوق کے عالمی منشور کا ناقدانہ جائزہ:

اگر ہم انسانی حقوق کے عالمی منشور کا بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ منشور ایک خاص موقع اور محل میں کافی حد تک موثر رہا ہے اور دنیا کو صلح اور امن کی طرف گامزن کرنے میں اس کا خاص کردار بھی رہا ہے۔ ان باتوں کے باجود اس بات پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہ منشور کچھ مخصوص ممالک کے موقع و محل اور وہاں پہ موجود ماحول کو مدنظر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھ کے عمل میں لایا گیا ہے اور وہ اس منشور کے تناظر میں اس دور کے انسانوں کے لیے (خاص طور پر مغربی انسان) حائل مشکلات کو حل کرنا چاہتے تھے اور اس کام میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے مگر اس اعلامیہ کی سب سے بڑی خامی اس کے اندر جامعیت کا فقدان ہے اس کی وجہ سے موجودہ دور میں اس پر بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں اسی بنا پر اس پر موجودہ دور میں اس پر اتنا اعتماد نہیں کیا جاتا ہے جتنا گزشتہ ادوار میں کیا جاتا تھا اس اعلامیہ کی جو اہم نقائص ہیں ان کو ذیل میں شہہ سرخیوں میں ذکر کیا جا رہا ہے:

اعلامیہ غیر جامع ہے:

جن افراد اور اداروں نے اس اعلامیہ کی تدوین میں اپنا کردار ادا کیا ہے ان کی نگاہ ایک خاص معاشرے اور اس کے ماحول تک محدود رہی ہے اور اس اعلامیہ کے اندر بعض ایسی باتیں بھی شامل ہیں جو دوسرے بہت سارے دانشوروں کے نظریات سے متفاوت ہیں جیسا کہ اس اعلانیہ میں اصالت فرد کو مورد توجہ قرار دیا گیا ہے اور تمام انسانوں کو ایک ہی صف میں قرار دیا گیا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے بہت سے دانشور ہیں کہ جو اس بات کے منکر ہیں اس کے علاوہ یہ بات دنیا میں موجود بہت سے مذاہب کے احکام اور قوانین کے ساتھ بھی متفاوت ہے۔

جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں تقریبا اکثر افراد کسی نہ کسی مذہب اور اس کے قوانین کے پابند ہیں اور اس اعلامیہ میں موجود بعض مطالب ان مذاہب کے احکام اور قوانین کے ساتھ متصادم ہیں جس کے نتیجے میں ان کے سامنے ان دو میں سے ایک کو اختیار کرنے کا راستہ ہے کیونکہ ایسا ممکن نہیں کہ دونوں کو ہی مثبت جواب دیں۔اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اس اعلامیہ کی شقوں کا از سر نو جائزہ لیتے ہوئے اس کے اعلامیہ کو دوسرے تمام ممالک کے قوانین اور شرائط کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے

انسانی حقوق کا منشور اور اسلام؟

اس اعلامیہ کی سب سے بڑی خامی دین کو اس اعلامیہ میں اہمیت نہ دینا قرار دیا جاتا ہے انسانی حقوق کے اس عالمی منشور کے دفعہ نمبر ا میں یہ جملہ درج ہے: ''تمام انسان آزادی اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔'' اس اعلامیہ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ نہ صرف دین سے متصادم ہے بلکہ اس کی بعض شقیں مختلف مذاہب اور ادیان کے احکامات سے ٹکراتی ہیں۔جیسا کہ اس منشور کے دفعہ ۵ میں تحریر ہے کہ ''کسی شخص کو جسمانی اذیّت یا ظالمانہ، انسایت سوز، یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی'' آج کے زمانے میں یہ کون طے کرے کہ کونسی سزا ظالمانہ ہے چونکہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں اس کی وضاحت نہیں ہے لہذا یہ بات صراحت کے ساتھ مختلف مذاہب اور ممالک کے احکامات اور قوانین پر حملہ ہے جہاں ان کے دینی اور ملکی قوانین کی روشنی میں مختلف قسم کے مجرموں کو سزا دی جاتی ہے تا کہ معاشرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں دوسرے افراد ان کے شر سے محفوظ رہ سکے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ کس قانون کی روشنی میں اور کس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کو منشور کا حصہ بنایا گیا اور یکسر ان تمام ممالک کے قوانین کو ظالمانہ قرار دیکر مسترد کیا گیا یہ بات دینی احکامات پر حملے کے ساتھ ان ممالک کے داخلی قوانین میں مداخلت اور ان کی توہین کے زمرے میں آتی ہے۔

قوت نافذہ سے خالی:

حقوق انسانی کے اس عالمی منشور پر اس عنوان سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ منشور منظور تو ہو گیا، لیکن اس کے پیچھے کوئی قوتِ نافذہ نہیں ہے۔ اگر کوئی ملک خاص طور پر کوئی طاقت ور ملک اس کی خلاف ورزی کرے تو اسے اس کا پابند بنانے کی کوئی ٹھوس اور موثر تدبیر اس میں تجویز نہیں کی گئی ہے۔ اس کا ثبوت آپ آج کی دنیا میں دیکھ سکتے ہیں کہ ایک بڑا ملک اپنی طاقت کے نشہ میں پوری دیدہ دلیری کے ساتھ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ہے۔ یہ منشور آج دنیا کی بڑی طاقتوں کے پاس ایک دستاویز کی شکل وصورت میں کسی حد تک محفوظ ہے اور اس کی بہت سی شقوں کو قابل عمل بنانے سے احتراز کیا جاتا ہے یہ سب ان عالمی طاقتوں کے رویہ کی وجہ سے ہے جو دوسری اور تیسری دنیا کو اہمیت دینے کے قائل نہیں ان کی نگاہ میں دنیا کو چلانے کا حق بڑی طاقتوں کے پاس ہے چھوٹے ممالک کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ دنیا کی اجارہ داری کا حصہ بنیں اسی فکر کے تناظر میں ہی جدید دنیا میں عالمی تنظیمیں اور اداروں کا قیام عمل میں آیا ہے جس کی بڑی اور واضح مثال اقوام متحدہ کی ہے جہاں سلامتی کونسل کے نام سے ایک استحصالی کمیٹی بنائی گئی ہے جس میں صرف بڑی طاقتوں اور ان کے تابع ممالک کے حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے جبکہ کسی اور ملک کی اس میں کوئی شنوائی نہیں ہے۔

آج ہم سب اس بات کے شاہد ہیں کہ جن ممالک نے انسانی حقوق کے اس عالمی منشور کو بنانے میں کردار ادا کیا وہ خود انسانی حقوق کو پامال کرنے میں سب سے آگے ہیں اگر کوئی بڑی طاقت عراق میں دس لاکھ افراد کو خاک وخون میں غلطاں کرے تو وہ ان کی نگاہ میں قومی سلامتی کے تحفظ کے لیے ضروری ٹھہرتا ہے۔ جب کہ اگر تیسری دنیا میں کوئی جانور غلطی سے مر جائے تو اس ملک کی شامت آجاتی ہے یہ سب اس عالمی منشور میں انسانی حقوق کو بغیر کسی تفریق کے قابل اجرا بنانے کی کوئی ضمانت نہیں ہونے کی وجہ سے ہے۔ عصر حاضر میں قوموں کے استحصال کے لیے بڑا نعرہ انسانی حقوق کا ہی لگایا جاتا ہے جب اور جہاں چاہے انسانی حقوق کے نام پہ بڑی طاقتیں قوموں کے حقوق کو پامال کرتی ہے اور جہاں چاہے ان پر حملہ آور ہوتی ہیں مگر جب خود ان ممالک کو انسانی حقوق کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو نہ صرف انہیں کوئی اثر نہیں ہوتا ہے بلکہ خود اپنے ممالک میں ہونے والی انسانی حقوق کے پامالی کو بے بنیاد باتوں کے ذریعے توجیح کرتی نظر آتی ہیں۔

آزادی کا مفہوم مبہم ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ بالا نقائص کے علاوہ اس منشور کو اس لحاظ سے بھی مبہم اور نامکمل قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس میں آزادی کو مطلقاً بیان کیا گیا ہے اس مرحلے پر بھی دوسرے ممالک کے آئین اور ان کے مذہبی اور دینی قوانین کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے یہ ایک واضح بات ہے کہ جس آزادی کو آج مغربی دنیا ذہن میں لیے بیٹھی ہے اس کے بہت سے پہلو مسلمانوں کے نزدیک مردود ہیں جیسا کہ مغربی دانشوروں کے نزدیک انسان مطلق آزاد اور فاعل خود مختار حق خود ارادیت کا حامل ہے انسان کسی کو جواب دہ ہستی نہیں ہے یہاں پر میں کچھ مغربی دانشوروں کے نظریات بیان کرتا ہوں کہ وہ آزادی کو کن معنوں میں لیتے ہیں۔

مشہور مغربی فلاسفر جان رالس اپنی کتاب ''پولیٹیکل لبرل ازم'' میں لکھتا ہے ''اگر کسی کا نظریہ ''خیر'' آزادی کے عقیدے کے لئے خطرہ بنے تو ایسے لوگوں کو اس طرح ختم کیا جائے جس طرح جراثیموں کو ختم کر دیا جاتا ہے''۔[19]

ڈربن لکھتا ہے کہ آئینی لبرل جمہوریت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کوئی احمق ہوگا جو ایسے آئینی جمہوری معاشرے میں رہنا پسند نہ کرے۔ لبرل ازم کے مخالفین احمقوں کو قائل کرنے کی ضرورت نہیں ان کا علاج صرف یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔[20]

پہلی بات تو آزادی کو اپنے نظریہ کے مطابق بیان کرنا اور پھر اس نظریے کے مخالفین کو ختم کرنا کی منطق آزادی کی اس منطق کے مطابق تو سب سے بڑے مخالف انسانی حقوق کے خود ہوئے ایک طرف تو انسان آزاد ہے۔ چناں چہ اس قسم کے فلسفیوں کی رہنمائی نے مغرب پر بڑے خطرناک اثرات ڈالے، مثلاً جرمن چانسلر انجیلا مرکل کہتی ہیں کہ ہم مسلم عورت کو نقاب نہیں پہننے دیں گے، یہ ہماری روایات کے خلاف ہے۔ فرانس کے سرکوزی نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ مغرب کی اقدار اختیار کریں، اگر وہ ہماری اقدار قبول نہیں کرتے تو وہ چلے جائیں۔ ہالینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ میں مساجد کی تعمیرات پر عوام اور حکومت کی طرف سے اعتراض کیا گیا کہ مسلمان ہماری زمین (کلچر) کا نقشہ بدل رہے ہیں۔ جرمنی کی ایک عدالت نے فیصلہ دیا کہ اسکولوں میں پڑھنے والی مسلم لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ تیراکی کرنا ہوگی، یہ ہماری اقدار ہیں۔ سمجھنے کی اصل بات یہی ہے کہ 'آزادی' کا تصور درحقیقت ان کی اقدار اور کلچر کا حصہ ہے اور ان کا تصور آزادی اپنانے کا مطلب ان کا کلچر اپنانا ہے اور یہی اصل آزادی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو مسجد بنانے، پردہ کرنے وغیرہ کی بھی آزادی ہوتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ آزادی کا جو تصور اور اصطلاح پیش کی جا رہی ہے یا مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ محض لفظ آزادی نہیں پورا ایک کلچر ہے، جس میں خدا، مذہب اور اخلاقی اقدار کی قطعی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ آزادی اظہار رائے کے نام پر ان کے خلاف کچھ بھی کہا جا سکتا ہے۔

الختصر اس منشور میں مذہبی آزادی کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس آزادی کے صحیح معنوں میں حدود متعین نہیں ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔فرض کیجیے کہ اگر مذہبی آزادی کا تصور صرف یہ ہے کہ آدمی پوجا پاٹ کرے، عبادت گھر میں جا کے اللہ کی عبادت کرے، مسجد میں نماز پڑھ لے، چرچ میں اپنے مذہب کے مطابق دعا میں شریک ہو جائے، گردوارے میں یا جس کی جو عبادت گاہ ہے اس میں پہنچ جائے اور عبادت کے مراسم بجالے آئے تو یہ بھی ایک آزادی ہے۔اس سے آگے بعض نجی اور خاندانی معاملات میں آزادی دے کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ مذہبی آزادی ہے۔آج مذہبی آزادی کا اس سے زیادہ کوئی تصور فی الواقع ہے بھی نہیں، لیکن اسلام کے معاملے میں مشکل یہ ہے کہ وہ پوری زندگی کے بارے میں ہدایات فراہم کرتا اور ان کی پابندی کا حکم دیتا ہے۔ ایسا کوئی دستور نہیں ہے جو یہ کہے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے تمام احکام پر چلنے کی آزادی ہے اور وہ اپنے دائرے میں اپنا قانون نافذ کر سکتے ہیں۔تیسری بات یہ کہ مغرب میں کلیسا اور اس کے زیر اثر برسر اقتدار طبقہ نے انسان کی آزادیٔ فکر وعمل اور اس کے بنیادی حقوق کے سلسلے میں انتہائی غلط رویہ اختیار کیا جس کا صحیح مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔اس کے ردِ عمل میں حقوق انسانی کا موجودہ تصور ابھرا۔اس میں مذہب کے حقیقی رول کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

بہر حال یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ وہ اقوام عالم جو آج ترقی یافتہ اور مہذب کہلاتی ہیں اور ''عالمی منشور برائے حقوق انسانی'' کی علم بردار ہیں ان کی تاریخ معصوم انسانوں کے خون سے رنگین ہے۔جس کا مشاہدہ کر کے انسانی حقوق تو کیا انسانیت بھی سوالیہ نشان بن جاتی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ ممالک اقوام متحدہ کے منشور کو صرف ایک معیار سمجھتے ہیں اور عملی طور پر اس کا نفاذ نہیں کرتے ہیں۔

بہر حال ان تمام معاشروں میں ہمیشہ ایسے اہل فکر ودانش موجود رہے ہیں جنھوں نے رنگ ونسل سے بالاتر ہو کر ہمیشہ ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور انسانوں کو ان کے بنیادی حقوق فراہم کرنے کی جدوجہد پر زور دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج انسانی شعور ارتقاء کے عمل سے گزر کر اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ انسانی معاشرہ اگر انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتا تو پھر حضرت انسان کے لیے اس دنیا میں امن وآشتی کے ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے۔

جنگ عظیم اول اور دوم میں جس وسیع پیمانے پر انسانی حقوق کی پامالی ہوئی اس کے بعد بھی ویتنام، بوسنیا، چیچنیا، افغانستان، عراق، کشمیر، شام، برما، فلسطین کی سرزمین پر جو خون ہولی کھیلی گئی اس نے ثابت کیا کہ انسانی حقوق کے تحفظ کا دعویٰ صرف تحریراً اور اعلامیوں تک محدود ہے۔اور دنیا بین الاقوامی سرمایہ داروں، اسلحہ ساز اداروں اور کثیر الاقوامی کمپنیوں کے ہاتھوں میں گروی رکھی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں آج بھی لاکھوں افراد کی زندگیاں خطرے میں ہیں اور دنیا ایک طویل اور وسیع جنگ کی طرف بڑھتی جا رہی ہے۔یہ استحصالی قوتیں ہر آنے والے وقت میں ایک نیا بت تراشتی ہیں تاکہ دنیا کو ایک نئی کشمکش درپیش ہو اور ظلم کے ایک نئے دور کا آغاز ہو۔درحقیقت ظلم اور ناانصافی اس چین ری ایکشن کی مانند ہوتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کے نتیجے میں تباہی کے اثرات ضبط ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جب کہ انصاف کی فراہمی اور انسانی حقوق کے تحفظ کی جدوجہد کی مثال اس بھاری پانی کی طرح ہے جو تباہی کے اس عمل کو روکتے اور سست کردیتے ہیں۔ اب جس معاشرے میں ظلم زیادہ اور حقوق کا تحفظ کم ہوگا یقیناً اس معاشرے میں ہر طرف تباہی پھیلے گی۔ اور وہ لوگ بھی جو بظاہر ظلم کے حامی نہیں ہیں وہ بھی ظلم اور ناانصافی کی چکی میں پس جائیں گے۔

لیکن کیا حقوق کے تحفظ کی یہ جنگ صرف کسی ایک مخصوص طبقے کی ذمے داری ہے۔ آج ہر طرف سیاسی بنیاد پر حقوق کی بات کی جاتی ہے۔ سیاسی جماعتیں، مزدوروں، کسانوں، تاجروں، طلبا، نوجوانوں اور خواتین کی حقوق کی بات کرتی ہے۔ معاشرے کا ایک کثیر حصہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ انسانی حقوق کی جدوجہد شاید سیاسی جماعت کے پلیٹ فارم ہی سے ممکن ہے۔ یا شاید یہ سیاسی جماعت کی ذمے داری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کے بنیادی حقوق کے لیے آواز بلند کرنا ہر شہری کی ذمے داری ہے اور اس کے لیے کسی سیاسی پلیٹ فارم کا ہونا لازمی نہیں ہے۔ جس طرح سانس لینا ضروری ہے اسی طرح ایک شہری کے بنیادی حقوق کے لیے آواز بلند کرنا ضروری ہے، خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ جب تک معاشرے میں انسانی حقوق کے تحفظ کی جنگ جاری رہے گی، معاشرہ زندگی سے بھرپور نظر آئے گا اور زندہ لوگوں کا معاشرہ کہلائے گا اور جب یہ جدوجہد معدوم ہوجائے گی تو معاشرہ بھی ایک قبرستان کی مانند مردہ لوگوں کا معاشرہ کہلائے گا، بلاشبہ معاشرے میں انسانی حقوق کے تحفظ کی جدوجہد ہی بقا اور سلامتی کی ضامن ہے۔[۲۱]

حقیقی انسانی حقوق:

انسان کے بنیادی اور فطری حقوق کے تحت جن جن امور کو شامل کیا جاتا ہے ان میں حقوقِ انسانی کا جامع ترین تصور، انسانی مساوات کا حق، انسانی عزت وآبرو کی حفاظت، انسانی جان ومال اور جائداد کی حفاظت، مذہبی آزادی کا حق، آزادی، ضمیر کا حق ضروریات زندگی کا انتظام، انسانی حقوق میں فرد ومعاشرے کی رعایت، بچوں کے حقوق کی حفاظت، اسی طرح انسانوں کے معاشی وثقافتی اور تعلیمی حقوق نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

انسانی حقوق کا اسلامی تصور اور اس کی اہمیت:

مسلمان دانشوروں کی اکثریت کے نزدیک دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے حقوق انسانی کی بنیاد رکھی اور اسلام میں انسان کے جو حقوق ہیں، وہ خدا کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔ دنیا کی کوئی مجلس قانون ساز اور حکومت ان کے اندر ردوبدل وترمیم کرنے کی مختار ومجاز نہیں ہے اور نہ ہی ان انسانی حقوق کو واپس لینے یا منسوخ کردینے کا کوئی حق کسی کو حاصل ہے۔ مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُن کا دین امن اور سلامتی کا درس دیتا ہے اور وہ خواہش رکھتے ہیں کہ دنیا بھر کے لوگوں کو امن اور سلامتی نصیب ہو اور تمام لوگوں کو ان کے بنیادی انسانی حقوق بلا امتیاز رنگ ونسل ملیں۔ اس سلسلے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے ہاں قرآن کی صورت میں ایک دستور بھی موجود ہے اور اسی دستور سے اخذ کردہ قوانین کی روشنی میں یہ قرار دیتے ہیں کہ اسلام میں انسانی حقوق کے قوانین روزِ اول سے ہی وضع کئے گئے ہیں۔ اسی طرح پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ وہ خطبہ مسلمانوں کے ہاں حقوقِ انسانی کا اولین منبع کہلاتا ہے۔ بعض مستشرقین بھی اس سلسلے میں مسلمانوں کے ہم آواز ہیں۔ جیسا کہ معروف مورخ ولیم ایل لینگر لکھتے ہیں: ''خطبہ حجۃ الوداع کو انسانی زندگی کے آئین کی حیثیت حاصل ہے۔''۲۲

یہ خطبہ حقوقِ انسانی کا پہلا بین الاقوامی چارٹر ہے، طاقتور ممالک اقوام متحدہ کی قراردادوں اور انسانی حقوق کے بین الاقوامی چارٹر کی کوئی پرواہ نہیں کر رہے۔ انسانی حقوق کا عالمی ڈیکلریشن ان تمام اہم روایتی، سیاسی اور شہری حقوق کا احاطہ کرتا ہے جو قومی وساتیر اور قانونی نظاموں میں قانون کے سامنے برابری، یک طرفہ گرفتاری سے تحفظ، منصفانہ مقدمے کیلئے عدالتی چارہ جوئی اور ماورائے عدل فوجداری قوانین سے آزادی، جائیداد حاصل کرنے کا حق، خیال وضمیر اور مذہب کی آزادی، رائے اور اظہار کی آزادی پر امن اجتماع اور تنظیم سازی کی آزادی پر محیط ہیں۔ اس میں معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق بھی گنوائے گئے ہیں جیسے کام کرنے کا حق کام کے انتخاب کا آزادانہ حق، برابر کے کام کے لیے برابر کی اجرت کا حق، ٹریڈ یونینوں کو بنانے اور ان میں شمولیت کا حق، آرام وفراغت کا حق، مناسب وموزوں معیار زندگی کا حق اور تعلیم کا حق وغیرہ۔ انسانی حقوق کے بارے میں اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے احترام، وقار اور مساوات پر مبنی ہے۔

قرآن حکیم کی رو سے رب العزت نے نوعِ انسانی کو دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت وتکریم عطا کی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً**۲۳ ''اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیا۔''

اس کے علاوہ پیغمبر اسلام نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا: **یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد ولا فضل لعربي علي عجمي ولا لعجمي علي عربي ولا لأحمر علي أسود ولا لأسود علي احمر الا بالتقوي:**۲۴ ''اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ کسی عربی کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے۔ سوائے تقویٰ کے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح اسلام نے تمام قسم کے امتیازات اور ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب ونسب اور مال و دولت پر مبنی تعصّبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، سفید ہوں یا سیاہ، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، مرد ہو یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ پیغمبر اسلام کا یہ خطبہ حقوقِ انسانی کا اولین اور ابدی منشور ہے جو کسی وقتی سیاسی مصلحت یا عارضی مقصد کے حصول کے لئے نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے جاری کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کو حقوق انسانی سے متعلق دیگر تمام دستاویزات پر فوقیت اور اولیت حاصل ہے۔ جو آج تک انسانی شعور نے تشکیل دیں۔

انسانوں کے مختلف حقوق:

سب سے پہلی چیز جو اس مسئلے میں ہمیں اسلام کے اندر ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام خود انسان بحیثیت انسان کے کچھ حقوق مقرر کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان، خواہ وہ ہمارے اپنے ملک اور وطن کا ہو یا کسی دوسرے ملک اور وطن کا، ہماری قوم کا ہو یا کسی دوسری قوم کا، مومن ہو یا (غیر مسلم)، کسی جنگل کا باشندہ ہو یا کسی صحرا میں پایا جاتا ہو، بہر حال محض انسان ہونے کی حیثیت سے، اس کے کچھ ہیں جن کو ایک مسلمان لازماً ادا کرے گا اور اس کا دینی فرض ہے کہ وہ انہیں ادا کرے۔

۱۔حقِ حیات:

سلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں اولین چیز زندہ رہنے کا حق اور انسانی جان کے احترام کا فرض ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: **مَنْ قَتَلَ نَفساً بغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جميعاً وَمَنْ أَحْياهَا فَكَأَنَّمَا أَحيا النَّاسَ جَمِيعاً** ۔۲۵؎ ''جس شخص نے کسی ایک انسان کو قتل کیا، بغیر اس کے کہ اس سے کسی جان کا بدلہ لینا ہو، یا وہ زمین میں فساد برپا کرنے کا مجرم ہو، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔''

جہاں تک خون کا بدلہ لینے یا فساد فی الارض پر سزا دینے کا سوال ہے، اس کا فیصلہ ایک عدالت ہی کر سکتی ہے یا کسی قوم سے جنگ ہو تو ایک باقاعدہ نظام حکومت ہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ بہر حال کسی فرد کو انفرادی طور پر یہ حق نہیں ہے کہ وہ قصاص لے یا فساد فی الارض کی سزا دے۔ اس لئے ہر انسان پر یہ واجب ہے کہ قتل انسان کا ہرگز ارتکاب نہ کرے۔ اگر کسی نے ایک انسان کو قتل کیا تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں اس طرح دہرایا گیا ہے کہ: **لا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَق** ۔۲۶؎ ''کسی جان کو حق (یعنی قصاص یا فساد کی سزا) کے بغیر قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔''

یہاں بھی حرمت قتل کو ایسے قتل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے جو حق کے ساتھ ہو، اور حق کا فیصلہ بہر حال کوئی عدالت مجاز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کرے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل نفس کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ **اکبر الکبائر الاشراک باللہ و قتل النفس** ۔ان تمام آیات واحادیث میں مطلقاً نفس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کسی خاص نفس کو مختص نہیں کرتا کہ اس کا مطلب یہ لیا جاسکے کہ اپنی قوم، یا اپنے ملک کے شہری، یا کسی خاص نسل، رنگ یا وطن، یا مذہب کے آدمی کو قتل نہ کیا جائے۔حکم تمام انسانوں کے بارے میں ہے اور بجائے خود ہر انسانی جان کو ہلاک کرنا حرام کیا گیا ہے۔

۲۔خود کو محفوظ رکھنے کا حق:

قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا ہے کہ: **وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً** ۔۲۷ ''اور جس نے کسی نفس کو بچایا، اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔''

آدمی کو موت سے بچانے کی بے شمار شکلیں ہیں۔ایک آدمی بیمار یا زخمی ہے۔قطع نظر اس سے کہ وہ کس نسل، کس قوم یا کس رنگ کا ہے، اگر ایک انسان بیماری کی حالت میں یا زخمی ہونے کی حالت میں ملا ہے تو اس کی بیماری یا اس کے زخم کے علاج کی فکر کرنی چاہیے۔اگر وہ بھوک سے مر رہا ہے اس کو کھانا کھلائیں تا کہ اس کی جان محفوظ ہو جائے۔اگر وہ ڈوب رہا ہے یا اور کسی طرح سے اس کی جان خطرے میں ہے تو انسان کا فرض ہے کہ اس کو بچائیں۔

۳۔عورت کی عصمت کا حق:

تیسری اہم چیز اسلام کے دیے ہوئے انسانی حقوق میں یہ ہے کہ عورت کی عصمت بہر حال محترم ہے، خواہ وہ اپنی قوم کی ہو، یا دشمن قوم کی، جنگل بیابان میں ملے، ہماری ہم مذہب ہو یا کسی غیر مذہب سے تعلق رکھتی ہو، یا لا مذہب ہو۔ مسلمان کسی حالت میں بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔اس کے لئے زنا کو مطلقاً حرام کیا گیا ہے خواہ اس کا ارتکاب کسی عورت سے کیا جائے۔

قرآن مجید میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ: ''**فِيُ اَمُوَالِهِمُ حَقٌ لِّلسَّآئلِ وَالُمَحُرُومِ** ۲۸'' ''اور مسلمانوں کے مال میں مدد مانگنے والے اور محروم رہ جانے والے کا حق ہے۔''

اول تو اس حکم کے الفاظ بجائے خود مطلق ہیں۔پھر یہ حکم مکے میں دیا گیا تھا، جہاں کوئی مسلم معاشرہ باقاعدہ بنا ہی نہ تھا اور بالعموم مسلمانوں کا سابقہ غیر مسلم آبادی ہی سے پیش آتا تھا۔اس لئے آیت کا صاف مطلب یہی ہے کہ مسلمان کے مال پر ہر مدد مانگنے والے اور ہر محروم رہ جانے والے انسان کا حق ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ اپنی قوم یا اپنے ملک کا ہو یا کسی قوم، ملک یا نسل سے تعلق رکھتا ہو۔آپ استطاعت رکھتے ہوں اور کوئی حاجت مند آپ سے مدد مانگے، یا آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ حاجت مند ہے تو ضرور اس کی مدد کریں۔خدا نے آپ پر اس کا یہ حق قائم کر دیا ہے۔

۴۔آزادی کا حق:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام میں کسی آزاد انسان کو پکڑ کر غلام بنانا یا اسے بیچ ڈالنا قطعی حرام قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلام کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کے خلاف قیامت کے روز میں خود مستغیث (استغاثہ پیش کرنے والا) ہوں گا۔ ان میں ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد انسان کو پکڑ کر بیچے اور اس کی قیمت کھائے (رجل باع حرا فاکل ثمنه) ۲۹
اس فرمانِ رسول کے الفاظ بھی عام ہیں۔ ان کو کسی قوم یا نسل یا ملک ووطن کے انسان کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا ہے۔

۵۔ انسان کو انصاف کا حق حاصل ہے:

یہ ایک بڑا اہم حق ہے جو اسلام نے انسان کو بحیثیت انسان عطا کیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

وَلا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوهُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۔۳۰ "کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انہیں مسجد الحرام سے روک کر تم ناروا زیادتی کرنے لگو" اور فرمایا: **وَلا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ** ۳۱ "اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہی تقوی سے قریب تر ہے۔"

اور فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ** ۳۲ "اے لوگو: جو ایمان لائے ہو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو۔"

معلوم ہوا کہ عام انسان ہی نہیں دشمنوں تک سے انصاف کرنا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام جس انصاف کی دعوت دیتا ہے وہ محض اپنے ملک کے باشندوں کے لئے، یا اپنی قوم کے لوگوں کے لیے، یا مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے سب انسانوں کے لیے ہے۔ ہم کسی سے بے انصافی نہیں کرتے۔ ہمارا مستقل شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ کوئی شخص بھی ہم سے بے انصافی کا اندیشہ نہ رکھے۔ ہم ہر جگہ ہر شخص کے ساتھ عدل وانصاف ملحوظ رکھیں۔

۶۔ انسانی مساوات کا حق:

اسلام نہ صرف یہ کہ کسی امتیاز رنگ ونسل کے بغیر تمام انسانوں کے درمیان مساوات کو تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے ایک اہم اصول حقیقت قرار دیتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۳۳ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

بالالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام انسان اصل میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اولاد ہیں۔یعنی قوموں اور قبیلوں میں یہ تقسیم تعارف کے لیے ہے۔اس لیے ہے کہ ایک قبیلے یا ایک قوم کے لوگ آپس میں ایک دوسرے سے واقف ہوں اور باہم تعاون کرسکیں۔اس لیے نہیں ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر فخر جتائے اور اس کے ساتھ تکبر سے پیش آئے۔اس کو ذلیل سمجھے اور اس کے حقوق پر ڈاکے مارے۔درحقیقت تم میں سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ خدا ترس ہے۔یعنی انسان پر انسان کی فضیلت صرف اخلاق اور پاکیزہ کردار کی بنا پر ہے نہ کہ رنگ ونسل، زبان اور وطن کی بنا پر۔اور یہ فضیلت بھی اس غرض کے لیے نہیں ہے کہ پاکیزہ اخلاق کے انسان دوسرے انسانوں پر اپنی بڑائی جتائیں، کیوں کہ بڑائی جتانا بجائے خود ایک برائی ہے جس کا ارتکاب کوئی خدا ترس اور پرہیزگار آدمی نہیں کرسکتا۔اور یہ اس غرض کے لئے بھی نہیں ہے کہ نیک آدمی کے حقوق برے آدمیوں کے حقوق پر فائق ہوں، یا اس کے حقوق ان سے زیادہ ہوں، کیوں کہ یہ انسانی مساوات کے خلاف ہے۔

۷۔ایک دوسرے سے تعاون کا حق:

اسلام نے ایک بڑا اہم قاعدہ کلیہ یہ پیش کیا ہے: **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** ۳۴؎ ''نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو۔بدی اور گناہ کے معاملے میں تعاون نہ کرو۔''

اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص بھلائی اور خدا ترسی کا کام کرے، قطع نظر اس سے کہ وہ قطب شمالی کا رہنے والا ہو یا قطب جنوبی کا، وہ یہ حق رکھتا ہے کہ ہم اس سے تعاون کریں اور وہ بجا طور پر یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ ہم اس سے تعاون کریں گے۔اس کے برعکس جو شخص بدی اور زیادتی کا کام کرے، خواہ وہ ہمارا قریب ترین ہمسایہ یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس کا نہ یہ حق ہے کہ نسل و وطن یا زبان وقومیت کے نام پر وہ ہمارا تعاون طلب کرے۔نہ اسے ہم سے یہ امید رکھنی چاہیے کہ ہم اس سے تعاون کریں گے۔

۸۔ اسلام کی جنگی حالات انسانی حقوق کی پاسداری کی تعلیم:

اسلام میں لفظ جنگ کے لیے ایک خاص لفظ جہاد فی سبیل اللہ یا قتال فی سبیل اللہ کا استعمال کیا گیا یعنی اللہ کی راہ میں قتال، جیسے کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: **وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ** ۳۵؎ ''اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں، مگر اس میں کوئی زیادتی مت کرو، کیوں کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' اور فرمایا: **اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۔ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ** ۳۶؎ ''جن سے جنگ کی جارہی ہے، اب اُن کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی، اس لیے کہ اُن پر ظلم ہوا، اور یقیناً اللہ اُن کی مدد پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے (یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنے گھروں (مکہ) سے بے قصور محض اس جرم کی بنا پر نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ جنگ کا مقصد فقط اپنے آپ کو ظلم سے بچانا یا مظلوموں کی حمایت میں مظلوموں کو ظلم سے بچانے کے لئے ظالم کے خلاف جہاد کرنا۔ اسلام کے اس نظریہ کے مطابق چونکہ جنگ کا اصلی مقصد حریفِ مقابل کو ہلاک کرنا اور نقصان پہنچانا نہیں بلکہ محض اس کے شر کو دفع کرنا ہے۔ اس لیے اسلام یہ اصول پیش کرتا ہے کہ جنگ میں صرف اتنی ہی قوت استعمال کرنی چاہیے جتنی دفع شر کے لیے ناگزیر ہو۔ اور اس قوت کا استعمال صرف انہی طبقوں کے خلاف ہونا چاہیے جو عملاً برسرِ پیکار ہوں یا حد سے حد جن سے شر کا اندیشہ ہو۔ باقی تمام انسانی طبقات کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رہنا چاہیے، اور دشمن کی ان چیزوں تک بھی ہنگامہ کارزار کو متجاوز نہ ہونا چاہیے جن کا اس کی جنگی قوت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ جنگ کا یہ تصور ان تصورات سے مختلف تھا جو عام طور پر غیر مسلم دماغوں میں موجود تھے۔ اس لیے اسلام نے تمام رائج الوقت الفاظ اور اصطلاحات کو چھوڑ کر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی الگ اصطلاح وضع کی جو اپنے معنی کے اعتبار سے وحشیانہ جنگ کے تصورات سے اس کو بالکل جدا کر دیتی ہے ....اس پاکیزہ تصور کے ماتحت اسلام نے جنگ کا ایک مکمل ضابطہ قانون وضع کیا جس میں جنگ کے آداب، اس کے اخلاقی حدود، محاربین کے حقوق و فرائض، مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز اور ہر ایک کے حقوق، معاہدین کے حقوق، سفراء اور اسیرانِ جنگ کے حقوق، مفتوح قوموں کے حقوق تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ ہر ایک کے لیے قواعد کلیہ اور حسب ضرورت جزئی احکام مقرر کیے۔ لیکن اس قانون سازی کا مدعا صرف اتنا نہ تھا کہ کاغذ پر ایک ضابطہ قوانین آ جائے، بلکہ اصلی مقصود یہ تھا کہ عملی خرابیوں کی اصلاح کی جائے اور جنگ کے وحشیانہ طریقوں کو مٹا کر اس مہذب قانون کو رائج کیا جائے۔ اس کے لیے سب سے پہلے اس غلط تصور کو دلوں سے محو کرنے کی ضرورت تھی جو صدیوں سے جما ہوا تھا۔ لوگوں کی عقلیں یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ جب مال و دولت کے لیے جنگ نہ کی جائے، ملک و زمین کے لیے نہ کی جائے، شہرت و ناموری کے لیے نہ کی جائے، حمیت و عصبیت کے لیے نہ کی جائے، تو پھر (وہ ایسی) جنگ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جس کو انسان کی خود غرضی اور نفسانیت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے پہلا کام یہی کیا کہ ''**جہاد فی سبیل اللہ**'' کے معنی اور وہ حدود جو اسے جہاد فی سبیل الطاغوت سے ممتاز کرتے ہیں، پوری طرح واضح کر دیئے اور مختلف طریقوں سے جنگ کے اس تصور کو لوگوں کے ذہن نشین کیا۔ پیغمبر اسلام نے جنگی ضابطہ اخلاق یوں پیش کیا:

۹۔ عام شہریوں کا تحفظ:

اسلام میں سب سے پہلے دشمن ملک کی مقاتل اور غیر مقاتل آبادی کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ جہاں تک غیر مقاتل آبادی کا تعلق ہے (یعنی جو لڑنے والی نہیں ہے یا لڑنے کے قابل نہیں ہے مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، اندھے، اپاہج وغیرہ) اس کے بارے میں پیغمبر اسلام کی ہدایات یہ ہیں: **لا تقتلوا شیخا فانیا و لا طفلا صغیرا و لا**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امـرأة. ۳۷؎ ''کسی بوڑھے، کسی بچے اور کسی عورت کو قتل نہ کرو'' ایک جنگ میں پیغمبر اسلام نے ایک عورت کی لاش دیکھی تو فرمایا: یہ تو نہیں لڑ رہی تھی ۳۸؎ اس سے فقہائے اسلام نے یہ اصول اخذ کیا کہ جو لوگ غیر مقاتل ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے۔

۱۰۔مقابل جنگجوؤں کے حقوق:

اسلام میں نہ صرف مسلمانوں کے لیے حقوق بیان ہوئے بلکہ مخالف فریق کے لیے بھی مختلف حقوق بیان ہوئے ہیں جن میں سے (مسلمانوں سے) لڑنے والوں کو بھی اسلام نے حقوق دیئے ہیں۔

۱۱۔آگ کا عذاب نہ دیا جائے:

حدیث میں پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے: ''**لا ینبغی ان یعذب بالنار لا رب النار.** ۳۹؎ '' آگ کا عذاب آگ کے رب کے سوا کسی کو زیب نہیں دیتا۔'' اس سے یہ حکم نکلا کہ دشمن کو زندہ نہ جلایا جائے۔

۲۔زخمی پر حملہ نہ کیا جائے:

''**لا تجهزن علی جریح:** کسی زخمی پر حملہ نہ کرو۔'' مراد ہے وہ زخمی جو لڑنے کے قابل نہ رہا ہو نہ (کہ وہ جو) عملاً لڑ رہا ہو۔

۳۔قیدی کو قتل نہ کیا جائے:

''لا یقتلن اسیر، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔''

۴۔باندھ کر قتل نہ کیا جائے:

''**نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن قتل الصبر**، نبی ﷺ نے باندھ کر قتل کرنے یا قید کی حالت میں قتل کرنے سے منع فرمایا'' حضرت ابوایوب انصاری جنہوں نے یہ روایت پیغمبر اسلام سے نقل کی ہے، فرماتے ہیں: ''جس خدا کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کسی مرغ کو بھی باندھ کر ذبح نہ کروں گا'' ۴۰؎

۵۔مفتوح علاقے کے لوگوں سے کوئی چیز مفت یا بلا اجازت نہ لی جائے:

اس بات سے بھی منع کر دیا گیا کہ عام آبادی کی کسی چیز سے معاوضہ ادا کئے بغیر فائدہ اٹھایا جائے۔ دوران جنگ میں اگر دشمن کے کسی علاقے پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی فوج وہاں مقیم ہو تو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ لوگوں کی چیزوں کا بے دریغ استعمال کرے۔ اگر اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو خرید کر لینا چاہیے یا مالکوں کی اجازت لے کر اس کو استعمال کرنا چاہیے۔ ۴۱؎ حضرت صدیق اکبرؓ، فوجوں کو روانہ کرتے وقت یہاں تک فرماتے تھے کہ دودھ دینے والے جانوروں کا دودھ بھی تم نہیں پی سکتے جب تک کہ ان کے مالکوں سے اجازت نہ لے لو۔

۶۔دشمن کی لاشوں پر غصہ نہ نکالا جائے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام میں قطعی طور پر اس بات کو بھی منع کیا گیا ہے کہ دشمن کی لاشوں کی تذلیل کی جائے یا ان کا مثلہ کیا جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ:"نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المثلۃ. پیغمبر اسلام نے (دشمنوں کی) لاشوں کا مثلہ (یعنی ان کی قطع و برید) کرنے سے منع فرمایا ۔۴۲ یہ حکم جس موقع پر دیا گیا وہ بھی نہایت سبق آموز ہے۔ جنگ احد میں جو مسلمان شہید ہوئے تھے، دشمنوں نے ان کی ناک کاٹ کر ان کے ہار بنائے اور گلوں میں پہنے۔ پیغمبر اسلام کے چچا حضرت حمزہ کا پیٹ چیر کر ان کا کلیجہ نکالا گیا اور اسے چبانے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت مسلمانوں کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تھا مگر حضور نے فرمایا کہ تم غنیم کے مقتولوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کرنا۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ دین فی الحقیقت خداوند عالم ہی کا بھیجا ہوا دین ہے۔ اس میں انسانی جذبات کا اگر دخل ہوتا تو جنگ احد میں یہ منظر دیکھ کر حکم دیا جاتا کہ تم بھی غنیم کے مقتولوں کا اسی طرح مثلہ کرو۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ راغب اصفہانی، مفردات القران/ ترجمہ محمد عبدہ فیروز پوری (لاہور، زاہد بشیر پرنٹرز، ۱۹۸۷ء)، ج ۲، ص ۲۷۲،

۲۔ ابن منظور، جمال الدین أبوالفضل محمد بن مکرم بن منظور، لسان العرب (بیروت، دارالصادر، ۲۰۱۰ء) ج ۷، ص ۴۹۔۵۷

۳۔ سورہ یونس (۱۰) آیت ۳۶ ۔ ۴۔ سورہ اسرآء (۱۷) آیت ۸۱ ۔ ۵۔ سورہ الذریات (۵۱) آیت ۱۹

۶۔ سورہ یونس (۱۰) آیت ۳۰ ۔ ۷۔ سورہ ال عمرآن (۳) آیت ۸۴ ۔ ۸۔ سورہ سباء (۳۴) آیت ۶

۹۔ حنبل، امام احمد بن محمد بن ھلال، مسند، (بیروت، دار الاحیا الاترث العربی، ۱۹۹۳) رقم حدیث ۲۱۵۳۵،

۱۰۔ اس سلسلے میں الخوارزمی اور ڈاکٹر حمید اللہ سر فہرست ہیں۔ دونوں دانشوروں نے نمرود کو ہی حمورابی قرار دیا ہے البتہ الخوارزمی نے حمورابی کو کیکاوس بھی لکھا ہے۔"ثم کیکاوس ولقبہ نمرد، و اظن آنہ ھو الذی یسمیہ العبرانبون نمرود" (الخوارزمی، محمد بن احمد بن یوسف، مفاتیح العلوم، دارالکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۹۸۹ء، ص: ۱۲۲)

(11)http://www.Internationalstandardbible.com/H/hammurabi-code-of.html,retrieved on 23 October 2015.

(12)Johannes M.Renger,Hammurabi: King of Babylonia,Encyclopedia Britannica,

(13)http://www.britannica.com/biography/Hammurabi) Claude Hermann Walter Johns, Babylonian and Assyrian Laws, Contracts, and Letters, the Lawbook exchange, ltd. Union, New Jersey, 1999 Pg: 41

(14)Ibid, Pg: 40 , (15)Ibid, Pg: 65.

۱۶۔ صلاح الدین، محمد، بنیادی حقوق (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء) ص ۳۷

(17):http://www.humanrights.com, retrieved on 23 October 2014

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(18):Published by the Office of Public Information, United Nations Universal Declaration of Human Rights (Urdu).http://www.ohchr.org/EN/UDHR/ retrieved on 25 August 2014

(19)John Rawls, Political Liberalism, New York,Columbia University Press,2005, p.64

cambridge , companion(20) Burton Derben on Rawls &Political Liberalism in the to Rawls UK Combrige University(USA,University Press, 2003,)Page>328,329.

۲۱۔ صدیقی، فوزیہ، ڈاکٹر، شعوری ارتقاء اور انسانی حقوق کی جدوجہد، روزنامہ ایکسپریس، کراچی، ۲۰۱۵ء ، ادارتی صفحہ

۲۲۔ ولیم ایل لینگر، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم/ مترجم: مولانا غلام رسول مہر (لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء) ج ا، ص ۲۷

۲۳۔ سورہ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۷۰

۲۴۔ الطبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطي راللخمي الشامی، المعجم الأوسط، (القاہرہ، دارالحرمین، ۲۰۱۰ء) ج ۵، حدیث: ۴۷۴۹، ص ۸۶ / الہیثمی، أبوالحسن نورالدي ن علی بن أبی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (القاہرہ، مکتبۃ القدسی، القاہرہ، ۱۹۹۴ء) باب الافضل لأحد علی احد إلا بالتقویٰ، ج ۱۴ ، ص ۸۴

۲۵۔ سورۃ المائدہ (۵) آیت: ۳۲

۲۶۔ سورۃ انعام (۶) آیت: ۱۵۱

۲۷۔ سورۃ المائدہ (۵) آیت ۳۲

۲۸۔ سورۃ الذریات (۵۱) آیت ۱۹

۲۹۔ طبرنی، المعجم الوسیط، جلد ۲، حدیث: ۲۲۵۳، محولہ بالا، ص ۱۴۵

۳۰۔ سورہ مائدہ (۵) آیت: ۲

۳۱۔ سورۃ المائدہ (۵) آیت ۸

۳۲۔ سورۃ النساء (۴) آیت: ۱۳۵

۳۳۔ سورہ الحجرات (۴۹) آیت: ۱۳

۳۴۔ سورہ مائدہ، (۵) آیت: ۲

۳۵۔ سورۃ البقرۃ (۲) آیت: ۱۹

۳۶۔ سورہ حج، آیت: ۴۰، ۳۹

۳۷۔ ابوداود، سلي مان بن الأشعث الأزدي السجستانی، سنن ابی داؤد (بیروت، دارالرسالۃ العالمیۃ، ۲۰۰۹ء) کتاب الجہاد، حدیث ۲۶۱۵،

۳۸۔ البخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، جامع صحیح بخاری، (بیروت، دارُطوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ) کتاب الجہاد، حدیث: ۳۰۱۵

۳۹۔ ایضاً، حدیث ۳۰۱۶

۴۰۔ ابوداؤد، محولہ بالا، کتاب الجہاد، حدیث ۲۶۸۷

۴۱۔ ایضاً، حدیث ۲۶۲۳، ۲۶۲۹

۴۲۔ ایضاً، حدیث ۲۶۱۳

© rasailojaraid.com